فقہ السیرۃ کے اسلوب سیرت نگاری میں ڈاکٹر محمد سعید رمضان البوطی کا منہج

Dr. Muhammad Saeed Ramadan Al-Bouti's Work in the Style of Biography of Jurisprudence

نیاز احمد*

پروفیسر ڈاکٹر محمد ادریس لودھی**

Abstract

Apparently, fiqh and seerah are considered different subjects and fields of study. Fiqh relates to law and principles of shariah while seerah considered as life history of the Holy Prophet (P.B.U.H) but it's an obvious reality that both fields of studies has a deep relation with each other. Fiqh means deep understanding of the orders of the Holy Quran, sunnah and seerah. Without understanding of these three fields thoroughly, the laws and principles of shariah cannot be followed and adopted completely. So that, deep and nearby interaction has been found between seerah and fiqh. The religion awarded to the Holy Prophet (P.B.U.H), its rules and regulations, shariah even understanding of each and every aspect of it known as fiqh.

In twentyth century, a new way of seerah writing has been observed which describes not only incidents of the Holy Prophet's life but also shows the teachings behind these incidents and enclose the hidden aspects of wisdom and understanding. In this way of seerah writing, the solutions of contemporary problems has been derived from the incidents of seerah so that seerah can be presented in a paractical way. Such, the paractical application of seerah known as fiqh and this method of seerah writing is known as Fiqh-ul-Seerah or Jurisprudential style of biography in other words. In this regard, Muhammad Saeed Ramzan Alboti (D:2013) has written a book with the title of "Fiq-ul-Seerah" in Arabic language. In this book, solutions of problems has been derived from the seerah. In this article, the methodology of Muhammad Saeed Ramzan Alboti to find out the solutions of problems from seerat-ul-nabi has been described in detail. Through this study, it will be tried to gain guidance to resolve the contemporary issues in the light of seerah.

Keywords: Saeed Ramzan, Fiqah.ul.seerah, Contemporary issues, Islamic Jurisprudence.

* پی ایچ ڈی سکالر، شعبہ علوم اسلامیہ (سیرت سٹڈیز)، بہاء الدین زکریا یونیورسٹی ملتان

** پروفیسر شعبہ علوم اسلامیہ، چیئرمین سیرت سٹڈیز، بہاء الدین زکریا یونیورسٹی ملتان

تہذیبی، معاشرتی اور سماجی اقدار میں امتدادزمانہ کے ساتھ تبدیلیاں رونماہوتی ہیں جو اپنے ساتھ بہت سے مسائل بھی لے کر آتی ہیں۔ اگر مذہبی تعلیمات نئے پیش آمدہ مسائل کا حل پیش کرنے سے قاصر ہوں توانسان بے بس نظر آئے گااور حالات کے جبر کا سامنا کرنے کے سوا کچھ نہیں کر سکے گا۔ ایسی صورتحال میں اس مذہب کو آفاقی اور فطری مذہب تسلیم نہیں کیاجائے گابلکہ اسے خودساختہ انسانی نظریات کاحامل مذہب قراردیاجائے گاجس کاوحی الٰہی سے تعلق ثابت نہیں کیاجاسکے گا۔ متبدل حالات اوران کے نتائج میں وقوع پذیر ہونے والے مسائل ومعاملات اور حالات کے تقاضوں کے حوالے سے شریعت اسلام پر نگاہ دوڑائی جائے تواس کی آفاقیت، ہمہ گیریت، ابدیت اور جدیدیت کاپہلوواضح ہوکر سامنے آتاہے۔ اسلامی شریعت کسی بھی زمانہ میں لوگوں کومشکلات میں نہیں ڈالناچاہتی اور نہ ہی عدل وحکمت اور مصلحت وفطرت کادامن چھوڑناچاہتی ہے۔ ابن قیم شریعت اسلامیہ کی اس خوبی کااظہار کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"فان الشريعة مبناهاواساسهاعلى الحكم ومصالح العبادفى المعاش والمعاد، وهى عدل كلها ورحمة كلها ومصالح كلها وحكمة كلها، فكل مسئلة خرجت عن العدل الى الجور، وعن الرحمة الى ضدها، وعن المصلحة الى المفسدة، وعن الحكمة الى العبث فليست الشريعة وان ادخلت فيهابالتاويل"[1]

"شریعت کامدار حکمتوں اوردنیوی واخروی زندگی کی مصلحتوں پر ہے۔ شریعت پیکرعدل ورحمت اور کل حکمت ومصلحت ہے۔ جومسئلہ بھی عدل سے جور کی طرف، رحمت سے زحمت کی طرف، مصلحت سے مفسدت کی طرف اور حکمت سے عبث کی طرف خروج کرے گاوہ شریعت کامسئلہ نہ ہوگا اگرچہ تاویل کے ذریعے شریعت میں داخل کردیاجائے۔"

امام شاطبی لکھتے ہیں:

"وضعت لمقاصدالشارع فى قيام مصالحهم فى الدين والدنيا معا"[2]

"شریعت دنیاوآخرت میں یکساں طورپر بندوں کے مصالح اور مفادات کے تحفظ کے لیے وضع کی گئی ہے۔"

شریعت قرآن مجیداورآپ ﷺ کی سنت مطہرہ کامجموعہ ہے۔ تغیرپذیرزمانے میں معاشرتی مسائل کاحل تلاش کرنےاورسیرت رسول ﷺ سے رہنمائی لینے کے لیے ہمیں مطالعہ سیرت کوجدید خطوط پراستوار کرنے اور فقہ السیرۃ کے اسلوب کی مدد سے سیرت رسول ﷺ کی نئی تعبیر وتشریح کرنے کی ضرورت

ہے جو قرآن وسنت، اسوہ حسنہ اور سیرت مبارکہ کے متبادر مفاہیم سے نہ ٹکراتی ہوں۔علامہ طاہر القادری سیرت رسول ﷺ کی اطلاقی اہمیت وضرورت کے حوالے سے لکھتے ہیں:"سیرت میں مذکور واقعات کا اپنے وقوعی زمان ومکان کے تناظر میں ذکر اور اس کا دور حاضر کے زمان ومکان کے تناظر میں اطلاق اور ربط وہ خلا ہے جسے پر کرنے کی ضرورت ہے کیونکہ اس کے بغیر ہم سیرت کی اصل معنویت تک رسائی نہیں پاسکتے۔"[3]

حوصلہ افزاء بات یہ ہے کہ بیسویں صدی میں بہت سے لوگوں نے اس ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے سیرت رسول ﷺ کو نئے زاویوں سے دیکھتے ہوئے مسائل جدیدہ کے حل کی طرف پیش قدمی کی ہے۔فقہ السیرۃ کے اسلوب کے حامل سیرت نگاروں نے سیرت النبی ﷺ سے اخذواستنباط کے کام کو فروغ دیاہے جو ہمارے لیے روشنی کی ایک کرن ہے۔ذیل میں اسی حوالے سے ڈاکٹر محمد سعید رمضان البوطی کے منہج واسلوب کا جائزہ پیش کیا جارہاہے۔

فقہ السیرۃ کا معنی ومفہوم

فقہ السیرۃ مرکب اضافی ہے جو فقہ اور السیرۃ سے مل کر بنا ہے۔بعض مرکبات میں لفظ فقہ محض تفہیم، سمجھ بوجھ اور ادراک کے معانی میں استعمال ہوا ہے جبکہ بعض مرکبات میں شرعی احکام اور کسی خاص شخصیت یا کسی خاص طبقہ کی خاص معاملات میں شرعی وقانونی رائے کے لیے بھی استعمال ہوا ہے۔گویا لفظ فقہ بعض مقامات پر لغوی اور بعض مقامات پر اصطلاحی معنوں میں استعمال ہوا ہے۔

لغوی طور پر اس کا معنی علوم وفنون کا گہرا ادراک ہے جبکہ اصطلاحی مفہوم میں اس سے مراد واقعات سیرت سے شرعی احکام، مواعظ وحِکَم اور دروس وعبر کا استنباط ہے۔ڈاکٹر فاروق حمادہ اپنی کتاب "مصادر السیرۃ النبویۃ وتقویمھا" میں اسی معنی کو لیا ہے۔[4] ڈاکٹر محمود احمد غازی فقہ السیرۃ کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> "بیسویں صدی کی ابتدا میں فقہ السیرۃ کے نام سے مطالعہ سیرت کا ایک نیا انداز سامنے آیا ہے۔اس کا مقصد محض سیرت کی تاریخی تفصیلات سے اعتناء کرنا نہیں بلکہ اس کا حقیقی مقصد یہ ہے کہ سیرت کے ان تاریخی واقعات اور تفصیلات میں جو سبق پنہاں ہے اس کو نمایاں کیا جائے۔جو بصیرتیں اور حکمتیں سیرت پاک میں پوشیدہ ہیں ان کو سامنے لایا جائے۔اس کاوش کا نام بہت سے حضرات نے فقہ السیرۃ رکھا ہے۔"[5]

فقہ السیرۃ کے اسلوب سیرت نگاری میں عقائد سے لے کر کلامیات تک اور سیاسیات سے لے کر اجتماعیات تک سیرت کے تمام پہلوؤں کا احاطہ کیا جاتا ہے۔علاوہ ازیں بعض حضرات نے روایات سیرت کے حوالے سے روایت ودرایت کے اصولوں اور سیرت نگاری کے ماخذ ومصادر کی تنقیح اوراصول سیرت نگاری کے اطلاق کو بھی فقہ السیرۃ کا نام دیا ہے۔[6] عمومی اعتبار سے فقہیات سیرت، کلامیات سیرت، سیرت کے ادبی واجتماعی پہلوؤں کا فہم اور سیرت کے احداث ووقائع کی تحلیل وتاویل فقہ السیرۃ کا میدان ہے۔متقدمین کی سیرت نگاری میں ان تمام گوشوں سے بحث کی گئی ہے بلکہ بعض کتب کو ان سب جوانب کی جامع کے طور پر شمار کیا جاسکتا ہے۔فقہ السیرۃ کا ایک اسلوب وہ ہے جس میں سیرت کے مختلف گوشوں کی مدد سے شرعی احکام کا تعین کیا جاتا ہے۔[7] اور یہی وہ پہلو یا اسلوب ہے جس کے لیے سب سے زیادہ فقہ السیرۃ کی اصطلاح کا استعمال کیا گیا ہے۔

علامہ محمد سعید رمضان البوطی کا منہج واسلوب

علامہ سعید رمضان البوطی نے ایک منفرد انداز تحریر اپنایا ہے۔انہوں نے اپنی کتاب میں اپنائے گئے اسلوب کی مدد سے نہایت شاندار طریقے سے سیرت نگاری وفہم سیرت کو ایک نئی جہت سے روشناس کرایا ہے۔ان کا اپنایا گیا اسلوب درج ذیل ہے۔

مقصد تالیف

علامہ سعید رمضان البوطی نے ابتداء میں مقصد تالیف بیان کر دیا ہے کہ میں نے اس کتاب میں ان غلطیوں بلکہ انحرافات کی اصلاح کرنے کی کوشش کی ہے جن کا بہت سے معاصر اہل قلم شکار ہو گئے تھے۔[8] معاصر اہل قلم سے ان کی مراد وہ لوگ ہیں جو جدیدیت کے نام پر نام نہاد عصری اسلوب میں لکھنے اور سیرت رسول ﷺ کو عصری تقاضوں سے ہم آہنگ کرنے کے دعویدار ہیں۔ایسے سیرت نگاروں نے اپنی عادات واطوار کو اسوہ حسنہ سے ہم آہنگ کرنے کی بجائے اسوہ رسول ﷺ کو زمانے اور اپنی خواہشات سے ہم آہنگ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے تاکہ وہ اپنے جدید بیانیے اور طرز فکر کو سیرت رسول ﷺ کے مطابق سمجھ کر اپنے آپ کو مطمئن کر سکیں۔اسی بات کو مولانا ابوالکلام آزاد نے قرآن پاک کی تشریح وتوضیح کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ یہ صورتحال فی الحقیقت مسلمانوں کے عام دماغی تنزل کا نتیجہ ہے۔انہوں نے جب دیکھا کہ

قرآن کا ساتھ نہیں دے سکتے تو کوشش کی کہ قرآن کو اس کی بلندیوں سے اس قدر نیچے اتار لیں کہ ان کی پستیوں کا ساتھ دے سکے۔[9] اسی طرح جب نام نہاد متجددین نے یہ محسوس کیا کہ وہ آپ ﷺ کی سیرت اور اسوہ حسنہ کا ساتھ نہیں دے سکتے تو انہوں نے کوشش کی کہ سیرت مبارکہ کی تشریح اپنے نظریات کے مطابق کریں جو ان کی خواہشات کا ساتھ دے سکے۔

سیرت نگاری کا فہم

البوطی کے مطابق انیسویں صدی کے اواخر میں بہت سے نام نہاد دانشوروں، مستشرقین اور ان کے ہمنواؤں کا ایک مخصوص مکتب فکر وجود میں آیا جن کا کام نبی اکرم ﷺ کی سیرت مبارکہ سے متعلق مغالطوں کو ہوا دینا اور انہیں بڑھا چڑھا کر پیش کرنا تھا۔[10] وہ اس مکتب فکر کے وجود میں آنے کا ایک بنیادی سبب یورپ کی سائنسی و علمی ترقی سے مرعوبیت ہے۔ اس لیے انہوں نے یورپ کی تقلید کرتے ہوئے "دینی اصلاح" کے نام سے ایسی فکر کی بنیاد ڈالی حالانکہ دین حق میں کبھی کوئی فساد پیدا نہیں ہوا کہ اسے کسی مصلح یا اصلاح کی ضرورت پڑے۔

ہمیں محض آپ ﷺ کی عظمت، فصاحت یا حکمت میں غور کرنے کی بجائے آپ ﷺ کی شخصیت کا مطالعہ اس انداز سے کرنا چاہیے کہ ہم ان کی تعلیمات کو سمجھ اور پرکھ سکیں اور ان کی صحت یا عدم صحت کے دلائل کو آشکارا کر سکیں۔ البوطی کے مطابق مطالعہ سیرت سے مراد ہے کہ:

"ان دراسة السيرة النبوية ليست سوى عمل تطبيقى يرادمنه تجسيدالحقيقة الاسلامية كاملة،فى مثلهاالاعلى محمدﷺ"[11]

"سیرت نبوی کے مطالعہ سے ایک ایسا تطبیقی عمل مراد ہے جس سے حقیقت اسلام کا ایک مکمل ڈھانچہ سامنے آئے جس کی سب سے افضل و اعلیٰ مثال حضرت محمد ﷺ کی ذات ہے۔"[12]

عقل و منطق کا تقاضا ہے کہ ہم آپ ﷺ کی نشوونماء، اخلاق و کردار، ذاتی اور خانگی زندگی، صبر اور جدوجہد، جنگ و امن، دوستوں اور دشمنوں کے ساتھ معاملات، دنیا اور اس کی لذتوں اور رنگینیوں کے بارے میں رویہ، غرض آپ ﷺ کی زندگی کے تمام پہلوؤں کا معروضی مطالعہ کریں۔

رسول اللہ ﷺ کی شخصیت کا نبوی پہلو

رسول اللہ ﷺ کی شخصیت کے نبوی پہلو کا اظہار علامہ البوطی کے منہج کی ایک خصوصی پہچان ہے۔ انہوں نے کتاب کی ابتداء میں ہی اس کی وضاحت کر دی کہ مسلمان کے لیے شایان شان نہیں ہے کہ وہ ایک

لمحے کے لیے بھی حیات رسول ﷺ کا مطالعہ محض اس حیثیت سے کرے کہ آپ ﷺ بے مثال عبقری، عظیم قائدیا زیرک انسان تھے۔ایسی کوشش درحقیقت ان عظیم الشان حقائق کے انکاریاان سے کھلواڑ کے مثل ہے جن سے آنحضرت ﷺ کی زندگی معمور نظر آتی ہے۔روشن اور تابندہ حقائق ببانگ دہل اعلان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ تمام اعلیٰ اخلاق، عقلی اور نفسانی اوصاف سے متصف تھے اوران سب کا سرچشمہ ایک عظیم الشان حقیقت تھی اور وہ یہ کہ آپ ﷺ اللہ عزوجل کی طرف سے نبی بناکر بھیجے گئے تھے۔یہ بڑی عجیب وغریب بات ہے کہ ہم فروعی چیزوں کو اصل جگہ پر رکھ دیں اور پھر اصل کے مطلق وجود کو ہی فراموش کر دیں۔

غزوہ احزاب کے موقع پر خندق کھودنے کے دوران آپ ﷺ صحابہ کے ساتھ شدید بھوک برداشت کرتے ہیں یہاں تک کہ معدہ خالی ہونے کی وجہ سے پیٹ پر پتھر باندھ لیتے ہیں۔اس قسم کی محنت ومشقت کرنے پر کس چیز نے آمادہ کیا؟کیا اس کا محرک قیادت وسیادت کا حصول تھا؟یامال کی حرص یااقتدار کی ہوس تھی؟یہ تمام اہداف ومقاصدان تمام پریشانیوں اور تکالیف سے متعارض ہیں۔جو شخص جاہ ومنصب اوراقتدار کاخواہشمند ہوتا ہے وہ اس قسم کی تکلیفیں کبھی برداشت نہیں کر سکتا۔

غزوہ خندق کے دوران حضرت جابر کا دعوت کرنااور تھوڑاسا کھانا سینکڑوں صحابہ کے لیے کافی ہو جانے کا واقعہ آپ ﷺ کی اپنے اصحاب کے ساتھ محبت اور قدرت الٰہی کے بالمقابل مادی اسباب سے اعراض پر اللہ تعالیٰ کی جانب سے آپ ﷺ کی قدرافزائی کامظہر تھا۔اس قسم کی تائیدات سے واضح ہوتا ہے کہ نبی ہونے کی حیثیت سے آپ ﷺ کووہ خصوصیات عطاکی گئی تھیں جن سے متصف ہوکر آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے عائدہ کردہ فرائض کوبخوبی انجام دیا۔[13] اس طرح کے بے شمارواقعات آپ ﷺ کی نبوی شخصیت کوروشن کرتے ہیں اورآپ ﷺ کو دنیاکے باقی تمام مصلحین سے ممتاز کرتے ہیں۔

واقعات سیرت سے دروس وحِکَم کااستنباط

علامہ سعیدرمضان البوطی واقعات سیرت سے دروس وحکم کااستنباط کرتے ہیں جواکثراوقات عصرحاضر سے کافی مطابقت رکھتی ہیں۔ان کی اسی خوبی کی وجہ سے ان کی کتاب کوشہرت عامہ نصیب ہوئی۔

آپ ﷺ کے یتیم پیداہونے کی حکمت

آپ ﷺ کے یتیم پیداہونے میں یہ حکمت پوشیدہ تھی کہ اہل باطل کولوگوں کے دلوں میں شبہ پیداکرنے اوراس وہم میں مبتلاکرنے کاموقع نہ ملے کہ محمد ﷺ نے بعد میں جس دعوت کاعلَم بلند کیااس کی

انہیں بچپن میں تربیت مل چکی تھی۔اس شبے کو تقویت اس بات سے ملتی کہ آپ ﷺ کے دادا اپنی قوم کے سردار تھے اور انہیں رفادہ اور سقایہ کے مناصب حاصل تھے۔اور عام طور سے ایسا ہی ہوتا ہے کہ دادا اپنے پوتے کی اور باپ اپنے بیٹے کی ایسی تربیت کرتا ہے کہ وہ اس کی میراث کی حفاظت کر سکے۔اس لیے اللہ نے اپنے رسول کی پرورش کا انتظام باپ، ماں اور دادا سے دور رکھ کر کیا تاکہ اہل باطل کو اس قسم کا شبہ کرنے کا موقع نہ مل سکے۔[14] یہ ایک آسان اور قابل فہم حکمت بہت سے باطل شبہات کو رد کر دیتی ہے کہ آپ ﷺ کا دعویٰ نبوت خاندانی سیادت کے قیام واستحکام کے منصوبے کا عملی اظہار تھا۔

حضرت خدیجہ کے مال کی تجارت اور ان سے نکاح کی حکمتیں

حضرت خدیجہؓ ایک باعزت، مال دار اور تاجر خاتون تھیں۔جب انہوں نے آپ ﷺ کی دیانت داری اور اخلاق حسنہ کے بارے میں سنا تو آپ ﷺ کو پیشکش کی کہ آپ ﷺ ان کا مال تجارت لے کر شام جائیں۔آپ ﷺ نے یہ پیشکش قبول کی۔میسرہ نے اس سفر میں آپ ﷺ کے خصائص اور اعلیٰ اخلاق کا مشاہدہ کیا اور واپس آکر سب کچھ حضرت خدیجہؓ کو بتایا۔حضرت خدیجہؓ نے آپ ﷺ کو نکاح کا پیغام پہنچایا جسے آپ ﷺ نے قبول فرمایا اور آپ ﷺ کا حضرت خدیجہؓ سے نکاح ہو گیا۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کے پیش نظر جسمانی لذت اندوزی کے اسباب اور لوازمات نہیں تھے۔اگر ایسا ہوتا تو آپ ﷺ اپنے سے کم عمر یا کم از کم اپنے برابر عمر کی خاتون سے نکاح کرتے۔آپ ﷺ ان کی شرافت و نجابت کی بناء پر ان کی طرف مائل ہوئے تھے جو اپنی قوم میں عفیفہ طاہرہ کے لقب سے مشہور تھیں۔حضرت خدیجہؓ نے پینسٹھ سال کی عمر میں وفات پائی جس وقت آپ ﷺ کی عمر مبارک پچاس برس تھی۔آپ ﷺ اس عرصہ میں کسی دوسری بیوی کا تصور بھی ذہن میں نہ لائے۔اگر آپ ﷺ چاہتے تو ایسا کر سکتے تھے اور یہ اس وقت کے عرف اور عادات کے خلاف بھی نہ ہوتا۔[15] مستشرقین نے تعدد ازواج کو موضوع بحث بنایا اور آپ ﷺ کی ذات کو داغ دار کرنے کی کوشش کی۔انہوں نے آپ ﷺ کو لوگوں کے سامنے ایک شہوت پرست اور جسمانی لذت میں ڈوبے ہوئے شخص کی صورت میں پیش کرنے کی کوشش کی۔

قرآنی آیات سے استدلال

البوطی اپنی رائے کے اثبات میں کثرت سے قرآنی آیات پیش کرتے ہیں جس کی وجہ سے ان کی رائے مدلل اور مضبوط ہو جاتی ہے۔مثال کے طور پر وہ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ عقائد کے اعتبار سے تمام انبیاء

ورسل کی دعوتوں میں ادنیٰ سا بھی فرق نہیں تھا لیکن شریعت واخلاق کے اعتبار سے زمانی تقاضوں اور حالات کے مطابق ان کی دعوتوں میں اختلاف یا فرق کا پایا جانا فطری چیز ہے۔اس دعویٰ کے اثبات میں وہ موسیٰؑ کی دعوت کے بارے میں قرآن سے ثابت کرتے ہیں کہ وہ بھی بنیادی طور پر اسلام ہی کی طرف تھی۔ قرآن پاک میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿قَالُوْٓا اِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا مُنْقَلِبُوْنَ وَمَا تَنْقِمُ مِنَّآ اِلَّآ اَنْ اٰمَنَّا بِاٰيٰتِ رَبِّنَا لَمَّا جَآءَتْنَا ۭ رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّتَوَفَّنَا مُسْلِمِيْنَ﴾(الاعراف:126،125)

"انہوں نے کہا بیشک ہم اپنے رب کی طرف لوٹنے والے ہیں۔تو ہم سے صرف اس بات کا انتقام لے رہا ہے کہ جب ہمارے پاس ہمارے رب کی نشانیاں آگئیں تو ہم ان پر ایمان لے آئے، اے ہمارے رب!ہم پر صبر انڈیل دے اور حالت اسلام میں ہماری روح قبض کرنا ہے۔"

ان آیات میں مسلمین کے لفظ سے ظاہر ہوتا ہے کہ موسیٰؑ کی دعوت بھی اسلام کی دعوت ہی تھی۔ اس کے بعد بیان کرتے ہیں کہ اسی دعوت کے ساتھ حضرت عیسیٰؑ کی بعثت ہوئی۔اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿فَلَمَّآ اَحَسَّ عِيْسٰى مِنْهُمُ الْكُفْرَ قَالَ مَنْ اَنْصَارِيْٓ اِلَى اللّٰهِ ۭ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ ۚ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ ۚ وَاشْهَدْ بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ﴾(آل عمران:52)

"بیشک اللہ کے نزدیک دین اسلام ہی ہے اور اہل کتاب نے علم حاصل ہونے کے باوجود جو باہم اختلاف کیا وہ ایک دوسرے سے عناد کے باعث تھا،اور جو اللہ کی آیتوں کے ساتھ کفر کرے تو بیشک اللہ جلد حساب لینے والا ہے"

البوطی کے مطابق دین اسلام حنیفیت کا تسلسل ہے جس پر اسلام دشمن پردہ ڈالنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں۔وہ اپنے اس دعویٰ کی دلیل میں مندرجہ ذیل آیت قرآنی پیش کرتے ہیں:

﴿وَجَاهِدُوْا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ ۭ هُوَ اجْتَبٰىكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ ۭ مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ ۭ هُوَ سَمّٰىكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ ۙ مِنْ قَبْلُ وَفِيْ هٰذَا.....﴾(الحج:78)

"اور اللہ کی راہ میں اس طرح جہاد کرو جس طرح جہاد کرنے کا حق ہے،اسی نے تم کو برگزیدہ بتایا ہے اور اس نے تم پر دین میں کوئی تنگی نہیں رکھی،(یہ) تمہارے باپ ابراہیم کی ملت ہے،اس نے اس سے پہلے تمہارا نام مسلمان رکھا ہے اور اس (قرآن) میں بھی (تمہارا یہی نام ہے)۔

ان تمام آیات سے ثابت ہوتا ہے کہ تمام انبیاء نے دین اسلام کا پرچار کیا اور بنیادی عقائد کی تعلیم و تبلیغ میں سب متفق تھے۔ کسی کی تعلیم اس سے مختلف نہ تھی البتہ شریعت اور اخلاقیات میں جزوی فرق ہو سکتا ہے۔ ان کے اس طریقہ استدلال میں قرآن کو بنیادی اہمیت حاصل ہے جو ان کی بات کو مضبوط و موید کرتی ہے۔

ذاتی رائے کا بیان

البوطی سیرت سے متعلق بہت سے مقامات و واقعات کے حوالے سے دوسرے سیرت نگاروں کے خیالات و آراء کا ذکر کرنے کے بعد ان کی تردید بھی کرتے ہیں اور اس حوالے سے اپنی ذاتی رائے کو مدلل اور آسان الفاظ میں بیان کرتے ہیں۔ جزیرۃ العرب میں آپ ﷺ کی بعثت کی حکمتوں کے بیان میں لکھتے ہیں کہ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ کی حکمت یہ ہے کہ باطل مذاہب اور کھوٹی تہذیبوں کے علم برداروں کا علاج اور ان کی رہنمائی دشوار ہوتی ہے۔ اس لیے کہ ان میں جو برائیاں پائی جاتی ہیں وہ ان کے لیے باعث افتخار ہوتی ہیں۔ اور ان کے مقابلے میں وہ لوگ جو ابھی تلاش و تحقیق کے مرحلے سے گزر رہے ہوں وہ اپنی جہالت کا انکار اور تہذیب تمدن کی برتری کا دعویٰ نہیں کرتے۔ ایسے لوگ اپنی خامیوں کا علاج کرنے اور رہنمائی قبول کرنے پر آمادہ ہوتے ہیں۔ البوطی کے نزدیک یہ حکمت صرف ان لوگوں پر صادق آتی ہے جو محدود صلاحیتوں اور معمولی طاقت و قوت کے مالک ہوں۔ ایسے لوگ آسان اور دشوار میں فرق کرتے ہیں اور آسانی اور آرام طلبی کو ترجیح دیتے ہیں۔ عرب کے لوگ ایسے نہ تھے۔ اس خطے کو آپ ﷺ کی بعثت کا مرکز بنانے میں وہی حکمت کارفرما تھی جو آپ ﷺ کو امی رکھنے میں تھی تاکہ لوگوں کو آپ ﷺ کی نبوت میں شبہ نہ رہے۔ حکمت الٰہی یہ تھی کہ جس ماحول میں آپ ﷺ کی بعثت ہو وہ بھی اردگرد کی قوموں کے مقابلے میں امی ہو اور اطراف کی تہذیبوں کی اسے ہوا نہ لگی ہو۔ اس کے فکری پیمانے گمراہ فلسفوں سے آلودہ نہ ہوئے ہوں۔ اپنی رائے کی دلیل قرآن پاک کی مندرجہ ذیل آیت سے دیتے ہیں:

﴿هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْأُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ﴾(الجمعہ:2)

"وہی ہے جس نے ان پڑھ لوگوں میں ان ہی میں سے (عظیم) رسول بھیجا، جو ان پر اس کی آیات تلاوت کرتا ہے اور ان کے باطن کو صاف کرتا ہے اور ان کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے اور بیشک وہ اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے"[16]

فقہی مسائل کا استنباط

البوطی واقعات سیرت سے بہت سے فقہی مسائل کا استنباط کرتے ہیں جو ان کے اسلوب کی بنیادی خصوصیت ہے۔انہوں نے پہلی ہجرت حبشہ سے مندرجہ ذیل احکام واصول کا استنباط کیا ہے۔

عقیدے کی حفاظت کے لیے وطن اور زمین وجائیداد کو قربان کیا جاسکتا ہے نہ کہ اس کے برعکس

دین کو مضبوطی سے تھامنا اوراس کی بنیادوں کو قائم کرنا ہر قوت کا سرچشمہ ہے۔یہ مال، جائیداد، آزادی اور عزت وشرافت کے حقوق کی حفاظت کا ضامن ہے۔اس لیے اسلام کی طرف دعوت دینے والوں اور مجاہدین کا فرض ہے کہ اپنے تمام وسائل دین اوراس کے اصول ومبادی کی حمایت ومدافعت میں لگادیں اور وطن، زمین، جائیداد، مال اور زندگی کو عقیدے کی حفاظت اوراس کی ترویج کا ذریعہ بنادیں۔[17]

سوال ہوتا ہے کہ مکہ اس وقت دارالاسلام تھا تو صحابہ نے مکہ کو چھوڑ کر حبشہ ہجرت کیوں کی کیوں اس وقت حبشہ غیر مسلم ملک تھا؟ یادرہے کہ اس وقت مکہ اور حبشہ کی حیثیت ایک ہی تھی۔اپنے دین پر عمل کرنے اور دوسروں کو اس کی طرف دعوت دینے میں جہاں بھی صحابہ کو زیادہ آسانی تھی وہ وہاں قیام کرنے کا حق رکھتے تھے۔[18]

مشروط طور پر غیر مسلموں کی پناہ حاصل کی جاسکتی ہے

ہجرت حبشہ سے یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ بوقت ضرورت غیر مسلموں کی پناہ حاصل کی جاسکتی ہے خواہ پناہ دینے والا اہل کتاب میں سے ہو یا مشرک ہو۔ہجرت حبشہ میں مسلمانوں نے نجاشی سے پناہ لی جو اہل کتاب میں سے تھا اور طائف سے واپسی پر آپ ﷺ نے مطعم بن عدی سے پناہ لی جو مشرک تھا۔بدیہی طور پر یہ اجازت اس بات سے مشروط ہے کہ اس سے اسلامی دعوت کو کوئی نقصان پہنچنے یا دین کے کسی حکم کے بدل جانے کا اندیشہ نہ ہو یا اس کی وجہ سے کسی حرام کام پر خاموشی نہ لازم آتی ہو۔[19]

شہید کو غسل دینا اور نماز جنازہ پڑھنا

شہداءِ غزوہ احد کے بارے میں صحیح بخاری کی روایت ہے کہ نبی ﷺ نے مقتولین کو خون میں لت پت دفن کرنے کا حکم دیا اوران کی نماز جنازہ بھی نہیں پڑھی۔[20] آپ ﷺ نے ایک قبر میں دو دو آدمیوں

کو دفن کیا۔اس سے علماء نے استدلال کیا ہے کہ معرکہ جہاد میں شہید ہونے والے کو غسل دیا جاتا ہے اور نہ اس کی نماز جنازہ پڑھی جاتی ہے۔اسی طرح فقہاء نے اس سے یہ بھی استدلال کیا ہے کہ ضرورت کے وقت ایک قبر میں ایک سے زائد میتوں کو دفن کرنا جائز ہے لیکن بلاضرورت جائز نہیں ہے۔ امام شافعی نے فرمایا ہے: "متواتر احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے ان کی نماز جنازہ نہیں پڑھی۔بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے دس دس کے گروپ کی نماز جنازہ پڑھائی اور ہر گروپ میں حضرت حمزہؓ شامل تھے یہاں تک کہ ان نماز جنازہ ستر مرتبہ پڑھی گئی۔ایسی روایات ضعیف اور موضوع ہیں۔[21]

حربیوں کی مملوکہ چیزیں مسلمانوں کے لیے حلال ہیں

غزوہ بدر کے موقع پر جب مسلمان مدینہ سے نکلے تھے تو ان کا مقصد کفار مکہ سے جنگ کرنا نہیں تھا بلکہ ابوسفیان کے تجارتی قافلے پر قبضہ کرنا تھا۔لیکن اللہ تعالیٰ کی منشاء تھی کہ انہیں اس سے بھی بڑی فتح عطا کرے۔اس واقعہ سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ حربیوں کی عام مملوکہ چیزیں مسلمانوں کے لیے حلال ہیں۔ان کے لیے جائز ہے کہ ان پر قبضہ کر کے انہیں اپنے تصرف میں لائیں۔اس حکم پر تمام فقہاء کا اتفاق ہے۔اس کا ایک عذر یہ بھی تھا کہ جو مہاجرین چھپ کر مکہ سے نکلے تھے ان کے مال واسباب پر کفار مکہ نے قبضہ کر لیا تھا اس لیے اب ان کی چیزیں ان مہاجرین کے قبضے میں آئیں گی تو ان کے نقصان کی کچھ تلافی ہو جائے گی۔[22]

دلائل کے ساتھ اختلافِ فقہاء کا بیان

البوطی اکثر مقامات پر اختلافی مسائل میں صرف آئمہ کا موقف بیان کرنے پر اکتفا کرتے ہیں لیکن بعض مواقع پر فقہاء کی رائے کے ساتھ ان کے دلائل بھی مختصراً بیان کرتے ہیں۔ انہی مقامات میں سے ایک مقام مفتوحہ اراضی کی تقسیم کے بارے میں مختلف فیہ مسئلہ کا بیان ہے۔مالکیہ اور احناف کا مسلک یہ ہے کہ زمین کو مطلق تقسیم نہیں کیا جائے گا بلکہ اس کی پیداوار مسلمانوں کے مصالح کے لیے وقف ہو گی۔ان کی دلیل یہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے فتح عراق کے بعد اس کی زمینیں تقسیم نہیں کی تھیں بلکہ ان کی پیداوار کو مسلمانوں کی خوشحالی کے لیے وقف کر دیا تھا۔

شوافع اور حنابلہ کا مسلک یہ ہے کہ جنگ کے نتیجے میں حاصل ہونے والی دوسری چیزوں کی تقسیم کی طرح زمین کی تقسیم بھی ضروری ہے۔ان کی دلیل یہ ہے کہ آپ ﷺ نے بنو نضیر کے اموال غنیمت کو فوج

کے درمیان تقسیم نہیں فرمایا تھا اس کا سبب یہ تھا کہ دشمن سے جنگ نہیں ہوئی۔ اگر مال فئی کے تقسیم نہ کیے جانے کے جواز کی علت یہی ہے تو اس سے واضح ہے کہ جب یہ علت نہیں پائی جائے گی تو یہ حکم بھی عائد نہیں ہو گا اور اموال غنیمت کی تقسیم کا منصوص حکم نافذ ہو گا خواہ اراضی کا معاملہ ہو یا کسی اور چیز کا۔[23]

اس بحث میں لائق توجہ بات سورہ حشر میں مذکور علت ہے۔ اور اس علت کا مقصد ایک ایسے عدل پرور معاشرے کا قیام ہے جس میں لوگوں کے طبقات اور گروہ ایک دوسرے سے قریب ہوں اور ان کے درمیان دوریاں پیدا کرنے والے ان اسباب کا خاتمہ ہو۔ اللہ تعالی نے ایسے معاشرے کے قیام میں معاون کچھ متعین وسائل واسباب کی نشاندہی فرمادی ہے اور ہمیں انہیں اختیار کرنے اور ان سے تجاوز نہ کرنے کا پابند بنایا ہے۔ اس لیے یہ کہنا جائز نہیں کہ "اسلام کا مقصد عدل اجتماعی کا قیام ہے، اس کے لیے ہم جو چاہیں اسباب اور ذرائع اختیار کریں" بلکہ یہ مقصد اور وسیلہ دونوں کے معاملے میں حد سے تجاوز شمار ہو گا۔[24]

ممکنہ سوالات اور ان کے جوابات کی توضیح

البوطی کا ایک انداز یہ ہے کہ وہ واقعات سیرت پر ہونے والے ممکنہ سوالات بیان کرتے ہیں اور ان کے جوابات بھی خود ہی پیش کر دیتے ہیں تاکہ قاری مکمل طور سمجھ سکے۔

آغازِ وحی کے وقت پیش آنے والے حالات کے حوالے سے البوطی نے شاندار بحث کی ہے جس سے منکرین وحی و نبوت کے تمام شبہات رفع ہو جاتے ہیں۔ ان کے نزدیک آغاز وحی کی حدیث پر دین کے تمام حقائق بشمول عقائد و شرائع مبنی ہیں۔ اس کو سمجھے اور اس پر یقین کیے بغیر ان تمام غیبی خبروں اور تشریعی احکامات پر یقین کرنا ممکن نہیں جنہیں لے کر نبی ﷺ اس دنیا میں تشریف لائے۔ لیکن بعض لوگوں نے کہا کہ محمد ﷺ برابر غور و فکر کرتے رہے یہاں تک کہ مسلسل تدریجی کشف کے نتیجے میں ان کے دل میں ایک ایسا عقیدہ آگیا جو ان کے خیال میں بت پرستی کا خاتمہ کر سکتا تھا۔ بعض نے یہ کہا کہ انہوں نے قرآن اور اسلام کے اصول و مبادی بحیرا راہب سے سیکھے تھے۔ کسی نے یہ کہا کہ محمد ﷺ اعصابی مریض یا بالفاظ دیگر مرگی کا شکار تھے۔ ان تمام نظریات و تاویلات کا مقصد محض آپ ﷺ کی نبوت کا انکار کرنا اور کھینچ تان کر وحی کی حقیقت میں التباس پیدا کر کے اس میں اور الہام و قلبی واردات کے درمیان خلط ملط کرنے کی کوشش کرنا ہے۔ اس لیے کہ اگر وحی کی حقیقت میں شکوک و شبہات پیدا کر دیے جائیں جو آپ ﷺ کے لائے ہوئے دین پر مسلمانوں کے ایمان و یقین کا سرچشمہ ہے، تو وہ بآسانی وحی کے ذریعے معلوم ہونے والے عقائد اور احکام

کاانکار کر سکیں گے اوراس نظریے کو تقویت دے سکیں گے کہ محمد ﷺ نے جن اصولوں اور شرعی احکام کی طرف دعوت دی ہے وہ ان کی ذاتی سوچ کا نتیجہ تھے۔[25]

وحی کا آغاز جس انداز سے ہوا اس سے فطری طور پر کئی سوالات ذہن میں آتے ہیں اوران سوالات کے جوابات تلاش کرنے سے وحی کے آغاز میں پوشیدہ حکمتیں واضح ہوتی ہیں۔سوالات یہ ہیں:

1۔ رسول اللہ ﷺ نے پہلی مرتبہ جبریلؑ کو اپنی آنکھوں سے کیوں دیکھا؟جبکہ یہ بھی ممکن تھا کہ وحی پس پردہ آجائے۔

2۔ کیوں اللہ نے آپ ﷺ کے دل میں رعب ڈال دیااورآپ ﷺ اس کی حقیقت سمجھنے سے قاصر رہے جب کہ اللہ کی آپ ﷺ سے محبت اور حفاظت کا ظاہری تقاضایہ تھا کہ وہ آپ ﷺ کے دل میں سکینت نازل فرماتااورآپ ﷺ کی ڈھارس بندھاتا چنانچہ آپ ﷺ پر خوف طاری نہ ہوتا؟

3۔ آپ ﷺ کو اپنی جان کاڈر کیوں ہوا؟اور یہ خیال پیدا ہوا کہ غار میں دکھائی دینے والا کہیں جن نہ ہو؟

4۔ آپ ﷺ نے یہ کیوں نہیں سوچ لیا کہ وہ اللہ کا بھیجاہوا امانت دار فرشتہ تھا؟

5۔ ابتدائی وحی کے بعد اتنا عرصہ یہ سلسلہ منقطع کیوں رہا؟جس کے سبب آپ ﷺ پر گھبراہٹ طاری ہونے لگی۔

البوطی ان سوالات کے مندرجہ ذیل جوابات دیتے ہیں۔

1۔ آپ ﷺ نے غار حرا میں حضرت جبریلؑ کو اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ وہ کہہ رہے تھے "پڑھو۔"اس سے واضح ہوتا ہے کہ وحی کوئی ذاتی اور داخلی چیز نہیں تھی جس کا تعلق محض قلبی واردات سے ہو بلکہ یہ ایک خارجی حقیقت کے استقبال اوراس سے استفادہ کا معاملہ تھا۔یہ اندازاسی بیرونی استفادہ کی تاکید تھی اوراس تصور کی نفی تھی کہ یہ محض اندرون نفس پیدا ہونے والا خیال ہے۔

2۔ آپ ﷺ نے غار میں جو کچھ دیکھااور سنااس سے آپ ﷺ کے دل میں خوف اوررعب طاری ہو گیا یہاں تک کہ آپ ﷺ گوشہ نشینی ختم کر کے لرزتے ہوئے گھر واپس آئے۔اس سے ہر عقل ودانش رکھنے والے پر واضح ہو جاتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ یہ آس لگائے نہیں بیٹھے تھے کہ آپ ﷺ کو رسول بنایا جانے والا ہے۔وحی کا نزول آپ ﷺ کے تصور سے ہم آہنگ ہو کر یا آپ ﷺ کے دل میں آئے کسی خیال کی تکمیل کے طور پر نہیں ہوا تھا بلکہ یہ صورتحال اچانک پیش آئی تھی۔

3۔ آپ ﷺ اچانک خوف ناک صورتحال سے دوچار ہوگئے جس کی مزید وضاحت آپ ﷺ کے اس وہم سے ہوتی ہے کہ غار میں آپ ﷺ نے جس کو دیکھا اور جس نے آپ ﷺ کو بھینچا تھا وہ کہیں جن نہ ہو۔ آپ ﷺ نے اپنے اس وہم کا اظہار حضرت خدیجہؓ سے بھی کیا۔ اللہ تعالیٰ اس بات پر قادر تھا کہ آپ ﷺ کو ڈھارس بندھاتا اور یہ بتا کر مطمئن کر دیتا کہ ان سے گفتگو کرنے والے جبریل ہیں۔ لیکن حکمت الٰہی کا یہ تقاضا تھا کہ آپ ﷺ کی ماقبل بعثت کی شخصیت اور مابعد بعثت کی شخصیت دونوں کے درمیان مکمل علیحدگی ہو جائے اور واضح ہو جائے کہ اسلامی عقائد یا اسلامی شریعت کا کوئی جز رسول اللہ ﷺ کے دماغ میں پہلے سے نہیں پک رہا تھا۔

4۔ وحی کے موقوف ہونے میں بھی ایک دلکش حکمت پوشیدہ تھی۔ اور وہ یہ ہے کہ اس کے ذریعے فکری محاذ پر یلغار کرنے والوں کا قطعی رد ہو جاتا ہے جو وحی نبوی کی تاویل اس انداز پر کرتے ہیں کہ وہ طویل اور پیہم غور و فکر کے نتیجے میں حاصل ہونے والا کشف تھا اور اس کا تعلق آپ ﷺ کے خارج سے نہیں تھا بلکہ اندرون نفس سے تھا۔

واقعات سیرت میں تطبیق و توجیہ

سفر طائف سے واپسی پر آپ ﷺ نے ایک مقام پر جنوں سے ملاقات کی اور انہیں قرآن پڑھ کر سنایا جس کو سن کر جن اسلام لے آئے۔ اس واقعہ سے متعلق احادیث سے جو اشکالات پیدا ہوتے ہیں البوطی نے ان کا جواب دیا ہے۔

صحیح بخاری میں حضرت ابن عباسؓ سے مروی جو واقعہ درج ہے اس میں ہے کہ آپ ﷺ بازار عکاظ تشریف لے گئے اور راستے میں مقام نخلہ میں نماز فجر میں قرآن کی تلاوت کے دوران جنوں نے قرآن سنا اور ایمان لائے۔ امام ترمذی نے بھی انہی الفاظ میں یہ روایت نقل کی ہے البتہ اس کے شروع میں یہ اضافہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے نہ تو جنوں کے سامنے قرآن پڑھ کر سنایا تھا اور نہ انہیں دیکھا تھا۔ جبکہ امام مسلم کی روایت کے مطابق حضرت ابن مسعودؓ نے نبی ﷺ کے جنوں کے سامنے قرآن پڑھنے کا اثبات کیا ہے۔ اسی لیے امام مسلم نے حضرت ابن عباس کی روایت نقل کرنے کے بعد حضرت ابن مسعودؓ کی روایت بیان کی ہے کہ میرے پاس جنوں کا ایک ہرکارہ آیا۔ میں اس کے ساتھ جنوں کے پاس گیا اور ان کے سامنے قرآن پڑھ کر سنایا۔ البوطی کے مطابق دونوں حدیثوں میں تطبیق کی صورت یہ ہے کہ ان کو دو واقعات پر محمول کیا جائے۔

ابن اسحاق اورابن ہشام کی روایات اور کتب احادیث کی روایات میں دوپہلوؤں سے فرق ہے۔اول یہ کہ ابن اسحاق کی روایت میں اس کا کوئی اشارہ نہیں پایا جاتا کہ آپ ﷺ نماز میں صحابہ کی امامت کروا رہے تھے بلکہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ تنہا نماز ادا کر رہے تھے جبکہ دیگر روایات میں صراحت ہے کہ آپ ﷺ نماز میں صحابہ کی امامت کر رہے تھے۔دوم یہ کہ ابن اسحاق کی روایت میں نماز فجر کی تخصیص نہیں ہے جبکہ دیگر روایات میں نماز فجر کا ذکر ہے۔اس کے مطابق ابن اسحاق کی روایت میں تو کوئی اشکال نہیں ہے لیکن دوسری روایت میں دو طرح سے اشکال وارد ہوتا ہے۔

اول یہ کہ یہ بات معلوم ہے کہ سفر طائف میں آپ ﷺ کے ساتھ صرف زید بن حارثہؓ تھے تو یہ بات کیسے درست ہو سکتی ہے کہ آپ ﷺ صحابہ کی امامت کر رہے تھے۔دوسری بات یہ کہ پانچ نمازوں کی مشروعیت اسراء کے موقع پر ہوئی اور معراج کا واقعہ بیشتر محققین کے نزدیک طائف کے بعد پیش آیا ہے۔پھر یہ بات کیسے درست ہو سکتی ہے کہ آپ ﷺ فجر کی نماز پڑھ رہے تھے۔

پہلے اشکال کا جواب یہ ہے کہ اس بات کا احتمال موجود ہے کہ واپسی میں جب آپ ﷺ نخلہ کے مقام پر پہنچے ہوں جو مکہ کے قریب ہے تو وہاں بعض صحابہ سے آپ ﷺ کی ملاقات ہو گئی ہو اور آپ ﷺ نے ان کے ساتھ فجر کی نماز ادا کی ہو۔رہا دوسرا اشکال تو اس کے جواب میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ جنوں کے آپ ﷺ سے قرآن سننے کا واقعہ ایک سے زائد مرتبہ پیش آیا۔پہلے واقعہ کی روایت حضرت ابن عباس نے کی اور دوسری مرتبہ وہ نمازوں کی فرضیت کے بعد پیش آیا جس کی روایت حضرت ابن مسعودؓ نے کی۔دونوں واقعات صحیح ہیں۔جمہور محققین کی یہی رائے ہے۔یہ توجیہ اس صورت میں کی جا سکتی ہے جب تسلیم کر لیا جائے کہ واقعہ معراج طائف کے بعد پیش آیا۔لیکن اگر اسے سفر طائف سے قبل تسلیم کر لیا جائے تو کوئی اشکال پیدا نہیں ہوتا۔[26]

احادیث میں تطبیق وتوجیہ

علامہ البوطی واقعات سیرت سے متعلق بادی النظر میں باہم متعارض احادیث میں تطبیق پیدا کرنے کی سعی کرتے ہیں۔بخاری اور مسلم نے دو مختلف سندوں سے روایت کیا ہے کہ اس غزوہ میں ہاتھ آنے والی عورتوں کو آپ ﷺ نے مجاہدین میں تقسیم کیا تو بعض صحابہؓ نے آپ ﷺ سے عزل کے بارے میں دریافت کیا۔آپ ﷺ نے فرمایا"ایسا کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔قیامت تک جس روح کو بھی اس دنیا میں آنا ہے وہ آکر رہے گی۔"[27]

اس واضح حدیث کی بناء پر جمہورآئمہ عزل کے جواز کے قائل ہیں لیکن اس سلسلے میں انہوں نے بیوی کی رضامندی کی شرط عائد کی ہے اس لیے کہ ایسا کرنے سے اسے ضرر پہنچنے کا امکان رہتا ہے۔ لیکن اگر اس کا سبب غربت اور تنگدستی کا اندیشہ ہے تو ایسا کرنا مکروہ ہے۔

ابن حزم مطلقاً عزل کی حرمت کے قائل ہیں۔ ان کی دلیل امام مسلم کی روایت کردہ وہ حدیث ہے جس میں نبی ﷺ سے عزل کے بارے میں دریافت کیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا "یہ خفیہ طریقے سے درگور کرنا ہے۔"[28] ابن حزم نے اور احادیث سے بھی استدلال کیا ہے لیکن وہ سب صحابہ پر موقوف ہیں۔ مثال کے طور پر انہوں نے اپنی سند سے حضرت نافع سے روایت کیا ہے کہ حضرت ابن عمرؓ عزل نہیں کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ اگر مجھے معلوم ہو جائے کہ میرا کوئی بیٹا عزل کرتا ہے تو میں اسے سخت سزا دوں گا۔ اسی طرح انہوں نے حجاج بن منہال کی سند سے روایت کیا ہے کہ حضرت علی بن ابی طالبؓ عزل کو ناپسند کرتے تھے۔[29] حضرت جابرؓ کی وہ حدیث جس سے جمہور نے استدلال کیا ہے اس کے بارے میں ان کا کہنا ہے کہ وہ منسوخ ہے۔[30]

علامہ البوطی کے مطابق عزل کے بارے میں آپ ﷺ کا فرمانا کہ یہ خفیہ طریقے سے درگور کرنا ہے اس کا مطلب اس کی تحریم نہیں ہے بلکہ آپ ﷺ کے اس ارشاد کو دیگر ثابت شدہ احادیث سے نہی تنزیہی پر محمول کیا جائے گا جیسا کہ جمہور کا مسلک ہے۔[31]

ابن حزم کا یہ دعویٰ کہ عزل کے جواز پر مستدل احادیث منسوخ ہیں، اس کی تردید حضرت جابرؓ کی اس حدیث سے ہو جاتی ہے جسے صحاح ستہ کے مؤلفین میں امام ابوداؤد کے علاوہ سب نے روایت کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں: "ہم رسول اللہ ﷺ کے عہد میں عزل کرتے تھے جبکہ قرآن نازل ہو رہا تھا۔" امام مسلم کی روایت میں یہ بھی اضافہ ہے کہ "اللہ کے نبی ﷺ کو یہ بات معلوم ہوئی لیکن آپ ﷺ نے ہمیں اس سے منع نہیں کیا۔" اگر عزل کے جواز کا حکم آپ ﷺ کی وفات تک باقی نہ رہا ہوتا تو حضرت جابرؓ یہ بات نہ کہتے اور ضرور واضح کر دیتے کہ آخر میں اس سلسلے میں کیا حکم شرعی قرار پایا تھا۔[32]

مستشرقین کے اعتراضات کے جوابات

البوطی مختلف ابحاث کے دوران مستشرقین کے اعتراضات ذکر کر کے ان کے جوابات بھی دیتے ہیں۔ اعلانیہ تبلیغ کے حکم کے بعد آپ ﷺ نے کوہ صفا پر اہل مکہ کو اسلام کی دعوت دی۔ اس مرحلے

پر جو طریقہ کار اپنایا گیا اس سے البوطی نے چند دروس کا استنباط کیا ہے جو مستشرقین اور اسلامی نظام پر مختلف طریقوں سے حملہ کرنے والوں کی بنیاد کو اکھاڑ پھینکتے ہیں۔

حضور ﷺ کی دعوت کا مقصد عرب قومیت کی ترویج نہیں تھی

مستشرقین کے اعتراضات میں سے ایک یہ ہے کہ آپ ﷺ کی دعوت اور اس حوالے سے تمام کوششوں کا مقصد عرب قومیت کی ترویج تھی۔ اعلانیہ دعوت کے آغاز و انداز اور اس کے ابتدائی نتائج سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ایسا بالکل نہیں تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے قریش اور عربوں کے سامنے جو دعوت پیش کی وہ ایک ایسی چیز تھی جس کی انہیں قطعی توقع نہیں تھی۔ یہی وجہ ہے کہ اس پر ابولہب نے سخت سست کہا اور سرداران قریش اور عام عرب اس کی مخالفت پر کمربستہ ہو گئے۔ آپ ﷺ کا مقصد اگر عرب قومیت کی ترویج ہوتا تو قریش اور عام عربوں کی طرف سے ایسی شدید مخالفت اور دشمنی کبھی سامنے نہ آتی بلکہ ان میں سے اکثر اس سے خوش ہوتے۔ ایک اعتراض یہ ہے کہ آپ ﷺ اور صحابہ کرامؓ کی جدوجہد دائیں بازو (عیش و عشرت کے دلدادہ مال دار و صاحب اقتدار لوگ) کے خلاف بائیں بازو (غریب اور ظلم و زیادتی کے شکار لوگ) کی بغاوت تھی۔[33] کیونکہ مکہ میں اصحاب محمد ﷺ کی اولین جماعت زیادہ تر فقراء، غلاموں اور مظلوموں پر مشتمل تھی جو اس بات کی دلیل ہے کہ وہ آپ ﷺ کی اتباع کر کے اپنی پریشانیوں کا ازالہ کرنا چاہتے تھے اور اپنے لیے بہتر معاشی مستقبل کی امید رکھتے تھے۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ کچھ عرصے بعد ہی دنیا اپنی تمام تر وسعتوں کے ساتھ ان کے قدموں میں آ گئی تھی جس سے واضح ہوتا ہے کہ اس مقصد کا حصول رسول اللہ ﷺ کے منصوبے میں شامل تھا۔

1۔ پہلی دلیل کا جواب یہ ہے کہ شریعت لوگوں کے درمیان انصاف قائم کرنے، ظالم کو لگام ڈالنے اور مساوات قائم کرنے کا حکم دیتی ہے۔ اس لیے اس سے اعراض صرف وہی لوگ کریں گے جو ظلم و زیادتی اور سرکشی کی زندگی گزارنے کے عادی ہو گئے ہیں کیونکہ شریعت کے نفاذ سے انہیں نقصان ہو گا۔ اور ہر وہ شخص اس شریعت کا استقبال کرے گا جو کمزور اور مظلوم ہو اور ظلم اور سرکشی کی تجارت میں اس کا کوئی حصہ نہ ہو۔ آپ ﷺ کے گرد جمع ہونے والوں کو اس بات کا یقین تھا کہ آپ ﷺ حق پر ہیں اور اللہ کے رسول ہیں اس لیے انہوں نے آپ ﷺ کا ساتھ دیا جبکہ سرداری کے منصب پر فائز لوگوں کا مزاج اور حالات ان کے لیے حق کے سامنے خود سپردگی اور اس سے ہم آہنگی کی راہ میں سنگ گراں بن گئے۔

2۔ دوسری بات کہ آپ ﷺ کا منصوبہ معاشی مفادات کا حصول تھا۔اس کا بھی حقیقت سے دور دور تک کوئی واسطہ نہیں ہے۔اگر ایسا ہوتا تو کفار مکہ نے جب آپ ﷺ کو مال و دولت اور سرداری کی پیشکش کی تھی آپ ﷺ اس پیشکش کو قبول کر لیتے۔ معرکہ قادسیہ کے موقع پر حضرت ربعی بن عامرؓ رستم کے دربار میں مظاہر عیش وعشرت پر حقارت کی نظر ڈالتے ہوئے یہ نہ کہتے کہ "اگر تم لوگ اسلام قبول کرلوگے تو ہم تم سے کوئی تعرض نہ کریں گے اور تماری سرزمین اور مال تمہارے حوالے کردیں گے۔"کیا جو لوگ اقتدار، زمین اور مال واسباب کے لیے اتنا کچھ کرتے ہیں وہ یہ بات کہتے ہیں؟[34]

اس سے پتہ چلتاہے کہ آپ ﷺ اور صحابہ کرامؓ کے مقاصد حکومت کا حصول اور معاشی مفادات نہ تھے۔ آپ ﷺ اللہ کے رسول ہیں اور صحابہؓ کو اس پر یقین تھا اوران کی تمام جہد وجہد اللہ کے پیغام کو عام کرنے اورانسانیت کی بھلائی کی خاطر تھی۔

واقعات سیرت اور عقائد

البوطی نے مختلف مقامات پر عقائد سے متعلق بھی گفتگو کی ہے۔انہوں نے جنوں کے وجود کو ثابت کیاہے اوران کے وجود کی نفی کو قرآن وحدیث کی صحیح نصوص کا انکار قرار دیاہے۔ابن اسحاق نے بیان کیاہے کہ سفر طائف سے واپسی پر جنوں کے ایک گروہ نے آپ ﷺ سے قرآن سنا جو اس بات کی دلیل ہے کہ جن ایک وجود رکھتے ہیں، وہ مکلف ہیں اور یہ کہ ان میں سے بعض ایمان لائے اور بعض ایمان نہیں لائے۔سورۃ احقاف کی ان آیات میں اس بات کا صریح ذکر ہے:

﴿وَاِذْ صَرَفْنَآ اِلَيْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ يَسْتَمِعُوْنَ الْقُرْاٰنَ .... وَيُجِرْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ﴾ (احقاف:31-29)

"اور (اے حبیب!) جب ہم نے جنات کی ایک جماعت کو آپ کی طرف متوجہ کیا جو قرآن غور سے سنتے تھے۔ پھر جب وہ وہاں (یعنی بارگاہ نبوت میں) حاضر ہوئے تو انہوں نے (آپس میں) کہا: خاموش رہو، پھر جب (پڑھنا) ختم ہو گیا تو وہ اپنی قوم کی طرف ڈر سنانے والے (یعنی داعی الی الحق) بن کر واپس گئے۔انہوں نے کہا: اے ہماری قوم (یعنی اے قوم جنات)! بیشک ہم نے ایک (ایسی) کتاب سنی ہے جو موسیٰ (علیہ السلام کی تورات) کے بعد اتاری گئی ہے (جو) اپنے سے پہلے (کی کتابوں) کی تصدیق کرنے والی ہے (وہ) سچے (دین) اور سیدھے راستے کی طرف ہدایت کرتی

ہے۔اے ہماری قوم!تم اللہ کی طرف بلانے والے (یعنی محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی بات قبول کرلو اور ان پر ایمان لے آؤ(تو) اللہ تمہارے گناہ بخش دے گا اور تمہیں دردناک عذاب سے پناہ دے گا۔"

ان آیات میں تصریح ہے کہ جنوں کاوجود ہے اورانہوں نے آپ ﷺ سے قرآن سنا اور آپ ﷺ پر ایمان لائے۔اللہ نے انہیں اسی طرح عبادات کامکلف بنایاہے جس طرح ہمیں مکلف کیاہے۔اللہ نے ان کے وجود کو ہماری آنکھوں میں پائی جانے والی قوت بینائی سے ماوراء رکھاہے۔اس مخلوق کاوجود چونکہ کتاب وسنت کی یقینی اور متواتر خبروں سے ثابت ہے اور یہ چیز دین کے ناگزیر عقائد میں سے ہے۔اس لیے تمام مسلمانوں کااس بات پر اجماع ہے کہ جنوں کے وجود کے انکار یااس میں شک سے ارتداد اور بے دینی لازم آتی ہے اوراللہ اوراس کے رسول ﷺ سے حاصل ہونے والی سچی اور متواتر خبر کی تکذیب ہوتی ہے۔

اسراء ومعراج سیرت رسول ﷺ کاایک اہم واقعہ ہے جس کاخلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کورات کے ایک مختصر حصے میں مسجد اقصی،سدرۃ المنتہیٰ اور عرش معلیٰ تک پہنچایااور شرف ہم کلامی بخشا۔اس واقعہ کے وقوع پذیر ہونے کے وقت کے بارے میں اختلاف ہے۔ابن سعد نے الطبقات الکبریٰ میں بیان کیاہے کہ یہ واقعہ ہجرت سے اٹھارہ مہینے قبل 17رمضان کو پیش آیا۔[35]

اس بات میں اختلاف ہے کہ آپ ﷺ کایہ سفر روحانی طور پر تھایاجسم اورروح دونوں نے سفر کیا۔جمہور محققین کے نزدیک آپ ﷺ کایہ سفر جسم اورروح دونوں کے ساتھ ہواتھا۔البوطی کے مطابق متقدمین ومتاخرین علماء کااتفاق ہے کہ اسراءاور معراج روح اور جسم دونوں کے ساتھ ہوئے تھے۔امام نووی نے شرح صحیح مسلم میں لکھاہے:

" صحیح بات یہ ہے کہ جس کے اکثر لوگ، بیشتر علمائے سلف اور عام متاخرین فقہاء، محدثین اور متکلمین قائل ہیں کہ واقعہ اسراء آنحضرت ﷺ کے جسم اطہر کے ساتھ پیش آیاتھا۔تمام آثاراس پر دلالت کرتے ہیں۔اوران کے ظاہری مفہوم کواس وقت تک ترک نہیں کیاجاسکتاجب تک کہ کوئی دلیل نہ ہو۔اورانہیں ظاہر پر محمول کرنامحال بھی نہیں ہے کہ تاویل کی ضرورت ہو۔"[36]

علامہ ابن حجر نے شرح بخاری میں لکھاہے:

فمنهم من ذهب إلى أن الإسراء والمعراج وقعا في ليلة واحدة في اليقظة بجسد النبي صلى الله عليه وسلم وروحه بعد المبعث، وإلى هذا ذهب الجمهور من

علماء المحدثين والفقهاء والمتكلمين وتواردت عليه ظواهر الأخبار الصحيحة، ولا ينبغي العدول عن ذلك إذ ليس في العقل ما يحيله حتى يحتاج إلى تأويل۔[37]

"اسراء اور معراج ایک ہی رات میں، بیداری کی حالت میں، آنحضرت ﷺ کے جسم اور روح دونوں کے ساتھ پیش آئے۔ جمہور علمائے حدیث، فقہاء اور متکلمین اسی کے قائل ہیں۔ صحیح روایات کا ظاہری مفہوم اسی پر دلالت کرتا ہے۔ اس کو ترک کرنا مناسب نہیں ہے اس لیے کہ عقلی طور پر ایسا ہونا محال نہیں ہے کہ تاویل کی ضرورت ہو۔"

جمہور فقہاء، محدثین اور متکلمین کے نقطہ نظر کے مطابق اسراء اور معراج حالت بیداری میں ہوئی۔ آپ ﷺ جسم ظاہری کے ساتھ تشریف لے گئے اور تمام امور پیش آئے۔ البوطی نے عقلی دلیل یہ دی ہے کہ مشرکین قریش نے اس خبر کو بہت اہمیت دی تھی اور اس پر تعجب کا اظہار کیا تھا اور فوراً اس کو جھٹلا دیا تھا۔ اگر یہ محض خواب کی بات ہوتی اور آپ ﷺ نے یہ خبر ان کے سامنے محض خواب کی حیثیت سے پیش کی ہوتی تو ان لوگوں کی جانب سے کسی حیرت، تعجب یا تردید و تکذیب کا مظاہرہ نہ ہوتا۔ اس لیے کہ خواب میں دکھائی دینے والی چیزیں حدود سے ماورا ہوتی ہیں اور ایسے خواب مسلمان اور کافر سب دیکھتے ہیں۔[38] یہ ایک پختہ عقلی دلیل ہے کہ آپ ﷺ کو اسراء اور معراج جسمانی اور روحانی دونوں طور پر ہوئی تھی اور آپ ﷺ نے قریش کے سامنے اسی نوعیت میں اس کا اظہار کیا تھا۔

نبی ﷺ اجتہاد کرتے تھے

یہ ایک اہم بحث ہے کہ کیا رسول اللہ ﷺ کو ہمیشہ وحی سے رہنمائی ملتی تھی یا آپ ﷺ کچھ معاملات پر خود بھی اجتہاد کرتے تھے۔ جمہور علمائے اصول کا نقطہ نظر یہ ہے کہ آپ ﷺ کو اجتہاد کا حق حاصل تھا۔ وہ غزوہ بدر کے قیدیوں سے متعلق واقعہ سے استدلال کرتے ہیں کہ مشورے سے طے پایا کہ ان سے فدیہ لے کر انہیں چھوڑ دیا جائے۔ اس موقع پر نازل ہونے والی آیات میں اس فیصلہ پر آپ ﷺ اور صحابہ کرام کی تائید نہ ہوئی۔ اس واقعے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کو اجتہاد کرنے کا حق حاصل تھا۔ اور اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کے اجتہاد میں تصحیح کے ساتھ ساتھ غلطی کا امکان بھی تھا اگرچہ وہ غلطی باقی نہ رہتی بلکہ وحی کے ذریعے اس کی اصلاح کر دی جاتی تھی۔

شارح اللمع فرماتے ہیں کہ "نبی ﷺ سے غلطی کا صدور ممکن تھا لیکن اس پر قائم نہیں رہ سکتے تھے بلکہ فوراً آپ ﷺ کو متنبہ کر دیا جاتا تھا۔" ابو اسحاق شیرازی فرماتے ہیں: "ہمارے بعض اصحاب کا خیال ہے کہ آپ ﷺ سے غلطی کا صدور ممکن نہ تھا۔ یہ بات صحیح نہیں ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ﴿عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ﴾ (التوبہ:43) "اللہ آپ کو سلامت (اور باعزت و عافیت) رکھے، آپ نے انہیں رخصت (ہی) کیوں دی (کہ وہ شریک جنگ نہ ہوں)" اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ سے غلطی سرزد ہو گئی تھی۔[39]

امام بیضاوی نے آیت ﴿مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗٓ اَسْرٰى﴾ (الانفال:67) کی تفسیر میں لکھا ہے کہ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ انبیاء کرام اجتہاد کرتے ہیں اور ان کے اجتہاد میں غلطی ہو سکتی ہے لیکن وہ اس پر قائم نہیں رہتے۔"[40]

تفردات علامہ البوطی

علامہ البوطی کئی معاملات پر منفرد رائے کے حامل ہیں جو دوسرے سیرت نگاران کے ہاں نہیں پائی جاتی ہے۔ علامہ البوطی کے چند تفردات مندرجہ ذیل ہیں۔

اسلام میں روایات کا وجود نہیں

اس عنوان پر البوطی نے شاندار بحث کی ہے جو اسلامی نظام پر ہونے والے بہت سے اعتراضات کو پیدا ہونے سے قبل ہی ختم کر دیتی ہے۔ اہل زبان اور ماہرین سماجیات کے عرف میں روایات ان عادات کے مجموعے کو کہتے ہیں جو آباء واجداد سے چلی آتی ہیں یا جو کسی ماحول یا کسی شہر میں لوگوں کے باہمی ربط سے عام ہو گئی ہیں بشرطیکہ ان عادات کو بقاء و دوام ملنے کا بنیادی سبب محض تقلید ہو۔ اس تعریف کی رو سے سماج میں رائج زندگی گزارنے کے طریقے، خوشیوں کے موقع پر لعو و لعب کے مظاہر، رنج و غم کے موقع پر ماتم کی شکلیں اور وہ تمام چیزیں جن کے لوگ عادی ہو گئے ہوں اور وہ زمانہ قدیم سے نسل در نسل چلی آ رہی ہوں یا تاثر اور ربط باہمی کی وجہ سے لوگوں نے انہیں خود بخود اختیار کر لیا ہو، زبان اور سماجیات کی اصطلاح میں روایات کہتے ہیں۔

قرآن کریم میں کئی مواقع پر اہل عرب کی مذمت کی گئی کہ انہوں نے اپنے آباء واجداد سے موروثہ روایات کی خوبیوں یا خرابیوں میں غور کیے بغیر خود کو ان کا غلام بنا رکھا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَاِلَى الرَّسُوْلِ قَالُوْا حَسْبُنَا مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ شَيْـًٔا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ﴾(المائدہ:104)

"اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اس (قرآن) کی طرف جسے اللہ نے نازل فرمایا ہے اور رسول (مکرّم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی طرف رجوع کرو تو کہتے ہیں: ہمیں وہی (طریقہ) کافی ہے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا۔ اگرچہ ان کے باپ دادا نہ کچھ (دین کا) علم رکھتے ہوں اور نہ ہی ہدایت یافتہ ہوں۔"

یہ اس بات کی دلیل ہے کہ دین اسلام بشمول عقائد واحکام عقل ومنطق پر مبنی ہے اوراس کو اختیار کرنے کا مقصد انسانوں کا دنیوی اوراخروی مفاد ہے۔ اسی لیے ایمان باللہ اوراس سے متعلق دیگر اعتقادی امور کی صحت کی ایک اہم شرط یہ ہے کہ وہ یقین اورآزاد فکر کی اساس پر قائم ہوں اوراس میں کسی تقلید یا عرف کا دخل نہ ہو۔ اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ دین روایات کے خلاف اعلان جنگ کرنے اوراس کی غلامی سے لوگوں کو نجات دلانے کے لیے آیا ہے۔ اس لیے کہ اس کے تمام اصول اوراحکام عقل سلیم پر مبنی ہیں جبکہ روایات محض تقلید اور پیروی کے محرک پر قائم ہوتی ہیں جن میں بحث وتحقیق اورآزادانہ غور وفکر کی کوئی گنجائش نہیں ہوتی۔

اسلام میں روایات نام کی کوئی چیز نہیں ہے خواہ اس کا تعلق عقیدے سے ہو یا دیگر نظاموں اوراحکام سے۔ عقیدہ عقل ومنطق کی اساس پر قائم ہے اوراحکام کی بنیاد دنیوی واخروی مصالح پر ہے۔ البوطی ان لوگوں کو غلطی پر قرار دیتے ہیں جو اسلام کی عبادات، احکام وقوانین اوراخلاقیات کو اسلامی روایات کا نام دیتے ہیں۔ اس غلطی سے ذہن اس طرف منتقل ہوتا ہے کہ اسلامی اخلاقیات کی قدروقیمت اس وجہ سے نہیں کہ وہ ایسے الٰہی اصول ہیں جن میں انسانیت کی سعادت وفلاح کاراز پنہاں ہے بلکہ اس کا سبب یہ ہے کہ اسلامی نظام ایسی قدیم عادات پر مشتمل ہے جو باپ دادا کے زمانے سے چلی آرہی ہیں۔ اسلامی نظام کو روایات قرار دینے کا مقصد اسلام کے بیشتر نظاموں اوراحکام پر روایات کا پردہ ڈال کر لوگوں کے ذہنوں میں یہ بات ڈالنا ہے کہ اسلامی اصولوں اوراحکام کی حیثیت روایات کی ہے تاکہ وہ یہ بھول جائیں کہ یہ نظام درحقیقت ایسے اصول ہیں جو عقل سلیم کی بنیاد پر قائم ہیں۔ اس صورت میں دشمنان اسلام کے لیے آسان ہو گا کہ ایسی جگہ سے اس پر حملہ کریں جہاں سے اسے نقصان پہنچایا جاسکتا ہو۔

اسلام نے جو نظام اور قوانین پیش کیے ہیں ان کی حیثیت اصول ومبادی کی ہے۔ انسانوں کے وضع کردہ اصول توبسااوقات غلط ہو جاتے ہیں کیونکہ ان کے پیش کرنے والوں کے افکار میں انحرافات پائے جاتے ہیں لیکن اسلام کے اصول کبھی غلط نہیں ہوسکتے اس لیے کہ جس ذات نے انہیں وضع کیا ہے وہی عقول

وافکار کا بھی خالق ہے۔ محض یہ عقلی دلیل ان اصولوں پر ایمان لانے اوران کی عظمت اور صحت کا یقین کرنے کے لیے کافی ہے۔[41]

مذکورہ بالا گفتگو بہت سے شبہات اوراعتراضات کا قلع قمع کر دیتی ہے۔ عصر حاضر میں کئی ایسی چیزیں ہیں جن کو زمانے کی ضروریات سے متصادم قرار دے کر ان سے برأت کا اعلان کیا جارہا ہے۔

جہاد فی سبیل اللہ کی اقدامی اوردفاعی جہاد میں تقسیم

علامہ البوطی کے نزدیک جہاد فی سبیل اللہ کو اقدامی جنگ اور دفاعی جنگ میں تقسیم کرنا درست نہیں ہے۔عام طور پر جہاد کو انہی دو مذکورہ بالا اقسام میں تقسیم کیاجاتا ہے جس کی وجہ غالباً یہ ہے کہ جب مستشرقین نے مسلمانوں پر شدت پسند اور ظالم ہونے کا الزام لگایااور غزوات کو اس الزام کی دلیل بنانے کی کوشش کی تو سیرت نگاروں نے اس اعتراض سے بچنے کی خاطر جہاد کو اقدامی اور دفاعی میں تقسیم کیااور کہا کہ آپ ﷺ کی اکثر جنگیں دفاعی تھیں۔ لیکن علامہ البوطی کے مطابق ایسا نہیں ہے کیونکہ جہاد کی مشروعیت کا دارومدار نہ دفاع برائے دفاع پر ہے نہ اقدام برائے اقدام پر۔ جہاد کا دارومدار اس ضرورت پر ہے کہ اسلامی معاشرے کو کامل شکل میں تمام اسلامی اصول ومبادی اور نظاموں کے ساتھ قائم کیا جائے۔اس کے لیے اقدام کرنا پڑے یا دفاع اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔[42]

اس حوالے سے البوطی کی بات کافی معنی خیز معلوم ہوتی ہے کیونکہ آپ ﷺ کو اسلامی معاشرہ قائم کرنے کا حکم دیا گیا تھااور تمام غیر منصفانہ طور طریقوں کی بیخ کنی کرنے کی تلقین کی گئی تھی اوراس کے لیے صرف دفاعی جہاد کافی نہیں تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ﴾ (الانفال:39)

"اور (اے اہل حق!) تم ان (ظلم و طاغوت کے سرغنوں) کے ساتھ (قیام امن کے لیے) جنگ کرتے رہو، یہاں تک کہ کوئی فتنہ (باقی) نہ رہ جائے اور سب دین (یعنی نظام بندگی وزندگی) اللہ ہی کا ہو جائے۔"

اس آیت کریمہ سے ثابت ہوتا ہے کہ جہاد کی مشروعیت اسلامی نظام کے نفاذ کے لیے ہوئی ہے اس کو اقدامی یا دفاعی میں محصور کرنا درست نہیں ہے۔لیکن مغالطے پیدا کرنے والوں کا مقصد ایک ہی تھا کہ مسلمانوں کو جہاد سے دور کر دیا جائے کیونکہ اسی صورت میں شیطانی قوتوں کی بقاء نظر آتی تھی۔ بعض لوگوں نے

کہا کہ اسلام تلوار کے زور پر پھیلا اور اسلامی فتوحات ظلم و جبر کے نتیجے میں ہوئی ہیں۔ دوسرا نظریہ یہ تھا کہ اسلام امن و سلامتی کا دین ہے۔ اس میں جہاد کی مشروعیت صرف اس صورت میں ہے جب کھلی جارحیت کا جواب دینا مقصود ہو۔ یہ دونوں نظریے باہم متضاد ہیں لیکن دونوں کا مقصد اخیر لوگوں کو انہی بحثوں میں الجھا کر حقیقی جدوجہد سے دور کرنا ہے۔ ڈاکٹر وہبہ الزحیلی اپنی کتاب "آثار الحرب فی الفقہ الاسلامی" میں معروف مستشرق اندرسن سے ہونے والی اپنی گفتگو نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

"اہل مغرب اور خاص طور پر انگریز ڈرتے ہیں کہ کہیں مسلمانوں کے درمیان جہاد کا تصور نہ ابھر آئے۔ اگر ایسا ہو گیا تو ان کا شیرازہ متحد ہو جائے گا اور وہ اپنے دشمنوں کا پامردی سے مقابلہ کرنے لگیں گے۔ اسی لیے وہ جہاد کے منسوخ ہونے کے نظریے کو رواج دینے کی کوشش کرتے ہیں۔"[43]

قبیلہ بنو سعد میں آپ ﷺ کی پرورش کے دوران واقعہ شق صدر پیش آیا جس کا شمار نبوت کے اشارات میں سے ہوتا ہے۔ اس میں یہ حکمت نہیں تھی کہ رسول اللہ ﷺ کے جسم مبارک میں کوئی غدہ شر تھا جسے نکال کر پھینک دیا گیا جیسا کہ عام طور پر بیان کیا جاتا ہے۔[44] اس لیے کہ اگر انسان سے شر صادر ہونے کا سبب جسم کے کسی گوشے میں پایا جانے والا لوتھڑہ ہوتا تو عمل جراحی کے ذریعے برے آدمی کو نیک بنایا جانا ممکن ہوتا۔ بلکہ اس کی حکمت یہ تھی کہ آپ ﷺ کا معاملہ مشتہر ہو جائے اور لوگوں کو معلوم ہو جائے۔ گویا یہ معنوی تطہیر کا عمل تھا جسے اس مادی اور حسی شکل میں پیش کیا گیا تا کہ اس کی حیثیت اعلانِ الٰہی کی ہو جائے جسے لوگ اپنے کانوں سے سن سکیں اور اپنی آنکھوں سے دیکھ سکیں۔[45]

واقعات سیرت کی توقیت کی وضاحت

علامہ البوطی مختلف مقامات پر واقعات سیرت کے وقوع پذیر ہونے کے وقت کے بارے میں اختلاف کو بھی بیان کرتے ہیں۔ غزوہ ذات الرقاع کے وقوع پذیر ہونے کے وقت کے بارے میں لکھتے ہیں کہ علمائے مغازی و سیر کا اتفاق ہے کہ یہ غزوہ خیبر سے قبل پیش آیا تھا۔ پھر ان میں اس بات پر اختلاف ہے کہ یہ غزوہ بنو نضیر کے بعد 4ھ میں پیش آیا یا 5ھ میں پیش آیا۔ اکثر کے مطابق غزوہ بنو نضیر کے بعد 4ھ میں پیش آیا جبکہ ابن سعد اور ابن حبان کا خیال ہے کہ 5ھ میں پیش آیا۔

امام بخاری نے اپنی صحیح میں صراحت کی ہے کہ غزوہ ذات الرقاع غزوہ خیبر کے بعد پیش آیا اس لیے کہ اس میں ابو موسیٰ اشعریؓ نے شرکت کی تھی جو غزوہ خیبر کے بعد حبشہ سے آئے تھے۔[46] حافظ ابن

حجر نے بھی امام بخاری کی رائے کو ترجیح دی ہے اور دلیل یہ پیش کی ہے کہ آپ ﷺ نے غزوہ ذات الرقاع میں نماز خوف ادا کی تھی جبکہ غزوہ خندق میں نماز خوف ادا نہیں کی تھی بلکہ نماز قضا کی تھی۔ اگر یہ غزوہ خندق سے پہلے ہوتا تو آپ ﷺ غزوہ خندق میں بھی نماز خوف ادا کرتے۔[47] اس کے علاوہ ابن حجر نے صحیحین کی اس روایت سے بھی استدلال کیا ہے کہ ابو موسیٰ اشعریؓ فرماتے ہیں کہ کس طرح غزوہ ذات الرقاع میں چلتے چلتے ان کے پاؤں زخمی ہو گئے تھے اور انہوں نے ان پر پٹیاں باندھ لی تھیں۔ ابو موسیٰ اشعریؓ مہاجرین حبشہ میں سے ہیں اور وہ غزوہ خیبر کے بعد حبشہ سے واپس آئے تھے۔

ابن قیم نے لکھا کہ غزوہ ذات الرقاع غزوہ خندق کے بعد پیش آیا۔[48] البوطی لکھتے ہیں کہ غزوہ ذات الرقاع غزوہ احزاب سے قبل پیش آیا۔ صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ غزوہ خندق میں حضرت جابرؓ نے رسول اللہ ﷺ اور کچھ اصحاب کی اپنے گھر میں دعوت کی تھی۔ اور اسی حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے حضرت جابرؓ کی بیوی سے فرمایا کہ خود بھی کھاؤ اور دوسروں کو بھی کھلاؤ اس لیے کہ لوگ قحط میں مبتلا ہیں۔ صحیحین میں ہی یہ حدیث مذکور ہے کہ آپ ﷺ نے غزوہ ذات الرقاع میں حضرت جابرؓ سے دریافت کیا کہ کیا تمہاری شادی ہو گئی ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ ہاں اللہ کے رسول۔ اس کا مطلب ہے کہ غزوہ ذات الرقاع کے موقع پر آپ ﷺ کو حضرت جابرؓ کی شادی کا علم نہیں تھا، اس سے واضح ہوتا ہے کہ غزوہ ذات الرقاع غزوہ خیبر ہی نہیں بلکہ غزوہ احزاب سے بھی قبل پیش آیا۔[49]

البوطی حافظ ابن حجر کے دلائل کا جواب دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ ابن حجر کی یہ دلیل کہ آپ ﷺ نے غزوہ خندق میں نماز خوف ادا نہیں کی تھی تو اس کا جواب یہ ہے کہ ممکن ہے کہ اس کی وجہ یہ ہو کہ مسلمانوں اور کفار کے درمیان شدید تیر اندازی ہو رہی ہو اور نماز ادا کرنے کا موقع بالکل نہ مل سکا ہو۔ یہ بھی ممکن ہے کہ غزوہ خندق میں دشمن قبلہ کی سمت میں ہو جبکہ غزوہ ذات الرقاع میں دشمن قبلہ کی سمت میں نہیں تھا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ آپ ﷺ نے چھوٹ جانے والی نماز کی قضا کی مشروعیت بیان کرنے کے لیے ایسا کیا ہو۔

ابو موسیٰ اشعریؓ کے حبشہ سے واپس آنے والی دلیل کا علمائے سیر و مغازی نے یہ جواب دیا ہے کہ ممکن ہے کہ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ نے ذات الرقاع کہہ کر کوئی اور غزوہ مراد لیا ہو، اس کی دلیل یہ ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایک غزوہ میں نکلے۔ ہم چھ افراد تھے اور ہمارے درمیان ایک اونٹ تھا جس پر ہم باری باری سواری کرتے تھے۔ جبکہ غزوہ ذات الرقاع جس کے بارے میں گفتگو ہو رہی

ہے اس میں مسلمانوں کی تعداد اس سے کہیں زیادہ تھی۔اس طرح یہ واضح ہوتا ہے کہ غزوہ ذات الرقاع کے زمانہ وقوع کی تعیین کے بارے میں علمائے مغازی وسیر کی اختیار کردہ رائے درست ہے۔[50]

خلاصہ بحث

فقہ السیرۃ کے حوالے سے علامہ سعید رمضان البوطی منفرد منہج واسلوب کے حامل ہیں جو نہایت آسان فہم اور سادہ ہے۔واقعات سیرت سے مستنبط شدہ احکام اور دروس وحکمتوں کے ضمن میں ان کا طرز بیان نہایت دلکش اور قابل فہم ہے جس کو ہر قاری بآسانی سمجھ سکتا ہے۔ان کے مستنبط دروس وحکمتیں عصر حاضر سے بہت زیادہ مطابقت رکھتی ہیں جن کی وجہ سے ان کی کتاب کو وہ شہرت نصیب ہوئی جو ہر کتاب کے حصے میں نہیں آتی۔ان کے اسلوب کی ایک خوبی یہ ہے کہ ان کے انداز بیان سے واقعات سیرت کے حوالے سے ذہن میں وارد ہونے والے بہت سے سوالات کے جوابات میسر ہو جاتے ہیں۔انہوں نے مختلف ابحاث کے دوران سیرت کے حوالے سے مستشرقین کے بہت سے اعتراضات کا تسلی بخش جواب فراہم کر دیا ہے۔ان کی کتاب کی خاص بات آپ ﷺ کی خاصیت نبوت کو اجاگر کرنا ہے جس سے بہت سے واقعات سیرت پر اعتماد کرنا اور معجزات کو تسلیم کرنا آسان ہو جاتا ہے جو مستشرقین کا ایک خاص ہدف ہے۔اصلاح عقائد و نظریات کے حوالے سے یہ ایک اہم کتاب ہے جس میں بہت سے نظریات کی وضاحت کر دی گئی ہے۔فقہی مباحث اور ان کی عصری معنویت نے ان کی کتاب کو انتہائی مفید بنا دیا ہے۔مختصر یہ کہ علامہ البوطی نے اپنے منفرد اسلوب کی بدولت سیرت کو قابل عمل صورت میں پیش کرنے کی شاندار کوشش کی ہے جو انسانیت کی نجات کی ضامن ہے۔

---

1 ابن قیم، محمد بن ابی بکر، اعلام الموقعین عن رب العالمین، دار الکتب العلمیہ بیروت، 1411ھ، ج3، ص11

2 الشاطبی، ابراہیم بن موسیٰ، الموافقات فی اصول الشریعۃ، وزارۃ الشؤون العربیہ والاوقاف والدعوۃ والارشاد، المملکۃ العربیۃ السعودیۃ، س ن، ج1، ص3

3 القادری، محمد طاہر، ڈاکٹر، مطالعہ سیرت کے بنیادی اصول، منہاج القرآن پبلی کیشنز لاہور، 2006ء، ص54

4 فاروق حمادہ، الدکتور، مصادر السیرۃ النبویۃ وتقویمھا، دمشق، دار القلم، س ن، ص159

5 غازی، محمود احمد، ڈاکٹر، محاضرات سیرت، الفیصل ناشران وتاجران کتب لاہور، 2007ء، ص532

6 مبارک پوری، قاضی اطہر، تدوین مغازی وسیر، دار النوادر غزنی سٹریٹ لاہو، 2005ء، مقدمہ از عبد الجبار شاکر

7 ہاشمی، شاہ معین الدین، ڈاکٹر، بیسویں صدی میں فقہ السیرۃ کا رجحان، فکر و نظر، سہ ماہی، اسلام آباد، ادارہ تحقیقات اسلامی بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، جلد49، شمارہ3-2، اکتوبر-نومبر-دسمبر، مارچ2012ء، ص112

[8] البوطی، محمد سعید رمضان،ڈاکٹر، فقہ السیرۃ(مترجم محمد عمران انور نظامی)فرید بک سٹال لاہور،2009ء مقدمہ، ص26

[9] آزاد، ابوالکلام، مولانا، ترجمان القرآن، اسلامی اکادمی اردو بازار لاہور، س ن، ص46

[10] البوطی، محمد سعید رمضان، فقہ السیرۃ، مقدمہ طبع دوم، ص29

[11] البوطی، محمد رمضان سعید،ڈاکٹر، فقہ السیرۃ النبویہ مع موجز لتاریخ الخلافۃ الراشدۃ، دارالفکر المعاصر بیروت، لبنان، س ن، ص25

[12] البوطی، محمد سعید رمضان، فقہ السیرۃ، ص23

[13] فقہ السیرۃ، ص408

[14] البوطی، محمد سعید رمضان، فقہ السیرۃ، ص88

[15] ایضاً، ص102

[16] البوطی، فقہ السیرۃ، ص64،63

[17] فقہ السیرۃ، ص175

[18] ایضاً، ص176

[19] ایضاً، ص177

[20] بخاری، محمد بن اسماعیل، صحیح بخاری، الطاف اینڈ سنز کراچی، 2008ء، ج1 ص360، کتاب الجنائز، باب الصلوۃ علی الشہید، رقم حدیث1343

[21] الشربینی، محمد بن خطیب، مغنی المحتاج الی معرفۃ معانی الفاظ المنہاج، دارالمعرفۃ بیروت،1418ھ/1997ء، ج1، ص519، کتاب الجنائز

[22] فقہ السیرۃ، ص289

[23] فقہ السیرۃ، ص357،356

[24] ایضاً، ص358

[25] البوطی، محمد سعید رمضان، فقہ السیرۃ، ص119

[26] فقہ السیرۃ، ص198،197

[27] بخاری، صحیح بخاری، ج2، ص1122، باب غزوۃ بنی المصطلق، رقم حدیث4138

[28] ابن حزم، احمد بن سعید، المحلی بالآثار، دارالکتب العلمیۃ بیروت، لبنان، 2003ء، ج9، ص222

[29] ابن حزم، المحلی، ص224

[30] ابن حزم، المحلی، ص223

[31] فقہ السیرۃ، ص383

[32] فقہ السیرۃ، ص384

[33] ایضاً، ص166

[34] فقہ السیرۃ، ص171

[35] محمد بن سعد، الطبقات الکبریٰ(مترجم)نفیس اکیڈمی اردو بازار کراچی، س ن، ج1، ص223

[36] نووی، یحیی بن شرف النووی، المنہاج شرح صحیح مسلم بن الحجاج،، دار إحیاء التراث العربی، بیروت، 1392ھ، باب الاسراء برسول اللہ ﷺ، ج2، ص209

[37] ابن حجر، احمد بن علی، فتح الباری شرح صحیح البخاری، الریاض، ج7، ص237، رقم حدیث3886

[38] فقہ السیرۃ، ص211

[39] ابو اسحاق شیرازی، ابراہیم بن علی، اللمع فی اصول الفقہ، دار ابن کثیر، دمشق بیروت، 1416ھ، ص267

[40] بیضاوی، عبداللہ ابن عمر، تفسیر بیضاوی، دار الکتب العربیۃ الکبریٰ، مصر، س ن، ج3، ص57

[41] فقہ السیرۃ، ص141-143

[42] فقہ السیرۃ، ص232

[43] وہبہ الزحیلی، آثار الحرب فی الفقہ الاسلامی، دار الفکر دمشق، 1998ء، ص95، حاشیہ

[44] کاندھلوی، محمد ادریس، سیرت مصطفیٰ ﷺ، کتب خانہ مظہری کراچی، س ن، ج1، ص78

[45] ایضاً، ص91

[46] بخاری، صحیح بخاری، الطاف اینڈ سنز کراچی، 2008ء، ج2، ص1120، باب غزوۃ ذات الرقاع

[47] ابن حجر، احمد بن علی، فتح الباری، ج7، ص482

[48] ابن قیم، ابو عبداللہ محمد بن ابی بکر، زاد المعاد فی ہدی خیر العباد، دار عالم الفوائد، المکۃ المکرمۃ، 1439ھ، ج3، ص293

[49] فقہ السیرۃ، ص365

[50] فقہ السیرۃ، ص366